© rasailojaraid.com

داستان نویسی اور قرآن وحدیث میں اس کا انعکاس

ـــــــــــــــــ ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی

اصطلاحی تعریف

داستان کے لیے موزوں ترین انگریزی اصطلاح Fiction ہے۔ اسی سے لفظ Fictitious بنا ہے، جس کے معنی جعلی، مصنوعی یا تخیّلاتی ہوتے ہیں۔ فکشن چوں کہ ایک اصطلاح ہے، اس لیے مغربی محققین نے حسب عادت اس کی تعریف متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک محقق لکھتا ہے: ''یہ ایک اصطلاح ہے جو نثر میں لکھے گئے کسی فرد یا واقعہ کے تخیلاتی بیان پر مشتمل ہو۔ قصوں کے لیے اس کا استعمال اگرچہ عام، لیکن متنازع فیہ ہے، کیوں کہ یہ جس شکل میں بھی سامنے آئے اس کا مواد ایک ہی ہوتا ہے''۔[۱] اس کی ابتدا کے بارے میں اس کا کہنا ہے کہ ''ابتدائی عہد میں قصہ گو ہوا کرتے تھے اور لوک کتھاؤں کو بیان کرنے والے دنیا کے مختلف حصوں میں پائے جاتے تھے''۔[۲]

ایک دوسرا مصنف فکشن کے دائرہ کو وسیع کر کے شعر تک پہنچا تا ہے۔ وہ لکھتا ہے: ''داستان Fiction کسی بھی مصنف کے تخیل کا پیدا کردہ قصہ ہے، جو نظم یا نثر دونوں میں لکھا جا سکتا ہے۔ ناول اور مختصر افسانے ان کی معروف شکلیں ہیں۔ فکشن کی دوسری شکلوں میں ڈرامہ اور بیانیہ نظمیں (مثنوی) شامل ہیں۔ داستان میں سوانح عمری، تاریخ یا دستاویز شامل نہیں ہیں''۔[۳] یہی مصنف آگے چل کر لکھتا ہے کہ ''زمانۂ ما قبل تاریخ میں فرضی قصے بیان کرنا انسانوں کا شعار رہا ہے، جو نسل در نسل منتقل ہوتا رہا ہے''۔[۴]

ایک اور مصنف اس کی تعریف یوں کرتا ہے: ''نثری داستان کسی کردار یا حالات کے بیان پر مشتمل ہوتی ہے، جو ایک پلاٹ کے ساتھ مشروط ہوتا ہے''۔[۵]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کچھ آگے چل کر مزید رقم طراز ہے کہ ”ازمنۂ قدیم میں نثری داستانیں تمام عالم میں لکھی جاتی رہی ہیں، جن کے لیے علی الاطلاق ناول کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے“۔۶؎
فکشن کی سب سے زیادہ واضح تعریف مذہب اور اخلاقیات کی انسائکلوپیڈیا کے مقالہ نگار نے ان الفاظ میں کی ہے: ”ادب میں داستان کی اصطلاح سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ماضی کا کوئی قصہ یا بیانیہ، خواہ طویل ہو یا مختصر، منثور ہو یا منظوم، زبانی ہو یا تحریری، جسے تفریح طبع کی خاطر لکھا گیا ہو۔ پراز نصیحت قصوں اور ضرب الامثال کے لیے اس خام اور عام تعریف میں قابل لحاظ ترمیم ضروری ہے“۔۷؎

داستان نویسی اور اہل عرب

عربی زبان کی تاریخ بہت طویل ہے، لیکن ظہورِ اسلام کے بعد عرصہ تک اس فن پر کوئی توجہ نہیں دی گئی، کیوں کہ جو فن دین میں مفید نہ ہو اس سے اہل عرب بے اعتنائی برتتے تھے۔ رزمیہ شاعری کی راہ میں بھی یہی سبب روڑا بنا تھا۔ استاد احمد حسن زیات لکھتے ہیں: ”کہانیاں اور قصے لکھنا ادب کے گراں قدر فنون میں سے ایک فن ہے۔ اس کے ذریعہ فکر کو کھیل کود اور تفریحی باتوں میں مشغول کر کے نفس کی کدورت دوٗر کی جاتی اور اسے آرام پہنچایا جاتا ہے، نیز پُر حکمت باتوں سے عقل کی اصلاح وتربیت کی جاتی ہے“۔
آگے عربی زبان میں قصوں کی نامقبولیت کے اسباب بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ بہ ہر حال نثر نگاری ہی کی ایک قسم ہے، جو زمانۂ جاہلیت اور صدرِ اسلام، حتیٰ کہ بنی امیہ کے آخر تک تقریباً کالعدم رہی، تا آں کہ ابن مقفع نے نثر نگاری اور قصہ نویسی کی داغ بیل ڈالی۔ پھر اس نے اور اس کے ساتھیوں نے ’کلیلہ دمنہ‘، ’ہزار افسانہ‘ (الف خرافہ)، ’دارا‘ اور ’الصنم الذہبی‘ وغیرہ جیسی کتابوں کے ترجمے کیے۔ عنترہ کی کہانی عشق و بہادری کی کہانی ہے، جو عربوں کے دورِ جاہلیت کی زندگی کی صحیح ترجمانی کرتی ہے۔ ان کے علاوہ بنی ہلال، سیف بن ذی یزن، الامیرۃ ذات الھمۃ، الظاہر بیبرس، علی زیبق مصری اور فیروز شاہ کی کہانیاں بھی متداول تھیں۔ ’الف لیلۃ ولیلۃ‘ (ترجمہ ہزار افسانہ) ’کلیلہ و دمنہ‘ (ترجمہ ابن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

المقفع) کا ذکر ہو چکا ہے۔۸

پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے: ''عربوں میں داستان گوئی کا رواج قدیم زمانہ سے موجود تھا اور یہ ان کی بدوی زندگی کا حصہ تھا۔ رات کے وقت بچوں کو کہانیاں سنائی جاتیں اور ان کے علاوہ خود بڑوں میں قصے سننے سنانے کا شوق تھا''۔۹ آگے لکھتے ہیں: ''داستان گوئی کا سلسلہ آگے بڑھا تو بیان واقعات کے ساتھ فرضی داستانوں اور من گھڑت کہانیوں نے جڑ پکڑی۔ بدروحوں، جنوں، پریوں اور غیر مرئی مخلوقات کی داستانیں زیادہ شوق سے سنی اور سنائی جانے لگیں۔ ان حیرت ناک داستانوں کو اساطیر کہا جاتا ہے۔ مردوں میں خرافہ کا نام مشہور تھا اور عورتوں میں ام زرع کا۔ اسی کا اثر تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جب عربوں کو قرآن پاک کی مقدس آیات سنائیں تو مشرکین نے غرور و استہزاء کے ساتھ کلام الٰہی کو یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ یہ جادو، کہانت، شاعری اور داستان ہے۔ قرآن کریم نے مشرکوں کے اس رویہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: مُسۡتَكۡبِرِينَ بِهٖ سَامِرًا تَهۡجُرُونَ (المؤمنون: ٦٧) 'تم لوگوں نے اس پیغمبر کو غرور و تکبر کے ساتھ داستان گو سمجھ کر چھوڑ دیا'۔۱۰

مغربی مفکر آر۔ بلیشیر (R. Blachere) نے یہ مفروضہ پیش کیا تھا کہ ''قرآنی اصطلاح میں اساطیر کا اطلاق ان کہانیوں پر ہوتا ہے جن کو مرد سناتے تھے، جب کہ خرافات سے مراد وہ کہانیاں ہوتی تھیں جو صرف عورتوں کے لیے مخصوص تھیں''۔ مولانا قاسمی اس پر معارضہ قائم کر کے یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ''خرافہ عام کہانیوں کو کہا جاتا تھا اور اساطیر مذہبی کہانیوں کو۔ کیوں کہ قرآن کریم میں گذشتہ قوموں کے جو قصے بیان کیے گئے ہیں ان کو بھی مشرکین مکہ 'اساطیر' سے تعبیر کرتے تھے، جس کا تذکرہ قرآن میں مختلف طریقوں سے ہوا ہے، مثلاً ایک جگہ آیا ہے: حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوۡكَ يُجَادِلُوۡنَكَ يَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ (الانعام: ۲۵) 'جب وہ آپ کے پاس جھگڑنے کے لیے آتے ہیں تو کافر کہتے ہیں کہ یہ پچھلے لوگوں کی کہانیوں کے سوا کچھ نہیں ہے'۔۱۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

داستان نویسی اور اقوام و مذاہب

کلیم الدین احمد قصے کہانیوں اور داستانی کہانیوں کا فرق بتاتے ہوئے کہتے ہیں: ''قصے کہانیاں اپنے فنی و ادبی نقائص وحدود کے باوجود ایسی چیز نہیں کہ انہیں یک قلم ناقابل اعتنا سمجھا جائے۔ ابتدائی قدیم قصے، جو عموماً کسی قوم میں متداول نظر آتے ہیں، وہ مختلف دلچسپیوں کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ قصے خلا میں سانس نہیں لیتے اور نہ خلا میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان سے اس قوم کے شعور وتخیل کی آبیاری ہوتی ہے''۔[۱۲] مزید لکھتے ہیں: ''یہ مسلّم ہے کہ کہانیوں میں ادبی حسن اور قدر و قیمت کی نمایاں کمی ہوتی ہے... داستان، کہانی کی طویل، پیچیدہ، بھاری بھرکم صورت ہے جو بچوں کے لیے نہیں، بلکہ بڑوں کے لیے ہوتی ہے، لیکن اس میں بھی اعلیٰ ادبی اور فنی اصول کی کارفرمائی نہیں..... 'یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ داستان گوئی انسان کا قدیم مشغلہ رہا ہے اور کسی نہ کسی صورت میں تقریباً ہر ایک قوم میں پایا جاتا ہے۔ اردو میں بھی اس مشغلہ کا وجود لازمی تھا''۔[۱۳]

ڈاکٹر مومن محی الدین 'فارسی ادب میں داستان نگاری' میں رقم طراز ہیں: ''فن قصہ خوانی کے تین نام ہیں: قصص، تذکیر اور وعظ۔ مذہبی حلقوں میں واعظ، ذاکر اور روضہ خواں کی اصطلاحیں رائج ہیں۔ عربی میں قاصّ کہتے ہیں، یعنی قصہ پرداز، جو اہل خیر میں شمار کیا جاتا ہے۔[۱۴] انہوں نے داستان کی پانچ قسمیں کی ہیں [۱] جرأت اور بہادری (chivalry) کی کہانیاں [۲] اساطیری حکایتیں: پریوں اور طاغوتی طاقتوں کے قصے [۳] حکایتوں اور روایتوں کے مجموعے جیسے 'طوطی نامہ' اور دیگر یکساں موضوعاتی مسلسل افسانے [۴] تمثیلی قصے، جن میں علامتوں کے ذریعے کہانیاں کہی جاتی تھیں [۵] پند آمیز قصے۔ یہ ادب عالیہ یا ادب لطیف کی وہ قسم تھی جن میں پند و موعظت کی تلقین ہوتی تھی۔[۱۵]

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط اپنی کتاب 'اسطوری فکر وفلسفہ (اردو شاعری میں)' کی تمہید میں لکھتے ہیں: ''مذہب ہر زمانے میں ادب کے لیے سرچشمۂ الہام رہا۔ یہی وجہ ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دنیا کے بیش تر ادب نے اسی کے زیر سایہ اپنی قوتِ نمو کو آزمایا ہے۔ دوسرے معنوں میں ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ مذہب کی گود ہی میں اکثر و بیش تر فن و ادب پروان چڑھے اور اس سے متاثر ہوئے'۔ ۱۶ مذہب اور اسطوریات کے باہمی تعلق پر انھوں نے یوں روشنی ڈالی ہے: ''اسلام میں خدا کے متعلق توحید خالص کے عقیدے کو تقویت ملی، البتہ رسولوں اور بزرگان امت کے متعلق ضعف ایمانی اور غلوئے عقیدت کی وجہ سے بعض ایسی روایتیں داخل اسلام کر دی گئیں جو اسلام کے قطعی منافی ہیں۔ براق کی شبیہ بنانا اور دلدل کی گھوڑے سے کچھ علیحدہ تصویر بنانا اس کی بیّن مثالیں ہیں۔ بزرگوں کے خرقِ عادت اور کرامت نما واقعات میں غلو برت کر ان کے مراتب کو رسولوں سے بڑھ کر بتانا وغیرہ اسی قبیل کے افکار و رجحانات ہیں، جو شعبۂ ایمانیات میں کہیں جگہ نہیں پا سکتے۔ عوام الناس عقیدت کے ساتھ انہیں تسلیم کرتے ہیں، جنہیں مذہبیات میں نہیں، اساطیریات کے خانے میں رکھا جا سکتا ہے'۔ ۱۷ آگے لکھتے ہیں: ''یہ ہر کیف مِتھ ہو یا دیو مالا، اساطیر ہو یا خرافات، معنی اور مفہوم کے لحاظ سے باہم مشترک ہیں اور ان کا ربط بالعموم مذہب ہی سے رہتا ہے۔ اس لیے جہاں اساطیر کا ذکر ہوگا مذہب کا دخل وہاں لازماً رہے گا۔ مذہب سے علیحدہ رکھ کر ہم اساطیر کی تفہیم کر ہی نہیں سکتے''۔ ۱۸

مختلف زبانوں کی چند اہم داستانیں

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ داستان یا قصہ کو عصری ادب میں موجود ڈرامہ، ناول اور افسانوی ادب سے ممتاز کرنے کے لیے اردو، فارسی، عربی اور سنسکرت داستانوں کی کچھ مثالیں ذکر کر دی جائیں۔

یورپ کی ادبی زندگی کا آغاز ہومر (Homer) کی Iliad اور Odyssy سے ہوتا ہے اور ان کے یہاں The Great Trojan War کی بڑی اہمیت ہے۔ یونانی اسطوریات نے، جنہوں نے روم کے غلبہ حاصل کرنے کے بعد نام بدل کر رومی اسطوریات کی شکل اختیار کر لی تھی، پورے یورپ کے لٹریچر پر بڑا فکر انگیز اثر ڈالا۔ روم کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فغفوریت اور ایران کی کج کلاہیت کے درمیان ہمیشہ رزم گاہ سجتی رہی۔ جہاں یونانی اور رومی لٹریچر میں رزمیہ شاعری کی داستان طرازی ہے وہیں ایران اس معاملہ میں پیچھے نہیں ہے۔ مولانا شبلی نے اشعار کی حد تک اس کا استقصا کیا ہے۔جن اہم شعری داستانوں کا انہوں نے تذکرہ کیا ہے ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

[۱] رودکی نے نصر بن احمد کی فرمائش پر 'کلیلہ و دمنہ' کا ترجمہ مثنوی میں کیا۔ [۲] عنصری نے 'وامق عذرا' لکھی جو آج ناپید ہے۔ [۳] فردوسی نے 'شاہ نامہ' لکھا جو شہرت عام رکھتا ہے۔ [۴] نظامی نے 'سکندر نامہ' لکھا۔ (مؤخرالذکر دونوں داستانیں تاریخی اور رزمیہ ہیں)۔عشقیہ داستانوں میں 'شیریں خسرو'، اخلاقی داستانوں میں 'حدیقۂ سنائی' اور 'بوستاں' نیز تصوف و فلسفہ میں مولانا جلال الدین رومی کی 'مثنوی معنوی' اور اوحدی کی 'جام جم' ہیں۔ واضح رہے کہ 'بوستاں' کے علاوہ شیخ سعدی کی 'گلستاں' کا شمار بھی داستانوں میں ہوتا ہے، لیکن یہ نظم نہیں، بلکہ ایک شاہ کار نثر ہے۔[19] ملا حسین واعظ کاشفی کی 'انوار سہیلی'، 'کلیلہ و دمنہ' کا فارسی ترجمہ ہے۔

ڈاکٹر مومن محی الدین نے تمثیلی قصوں اور علامتی حکایتوں کے فروغ میں صوفیوں اور معلّمینِ اخلاق کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے سب سے پہلے خواجہ فریدالدین عطار کا نام لیا ہے۔ پھر مولانا روم اور شیخ سعدی اس فہرست میں آتے ہیں، جن کی 'گلستاں' و'بوستاں' کی عطر بیز خوشبو آج بھی مشام جاں کو معطر کیے ہوئے ہے۔ دیگر قابل ذکر اسماء میں فیضی اور وحشی یزدی کا نام آتا ہے، جس نے مثنوی 'فرہاد شیریں' لکھی ہے۔[20]

'الف لیلۃ ولیلۃ' تیسری صدی ہجری میں فارسی 'ہزار افسانہ' کا ترجمہ ہے، لیکن اسے زیادہ مفصل اور دلچسپ بنایا گیا ہے۔مختلف مذاہب اور قوموں کی کہانیوں، امراء کے واقعات اور دوسرے اضافوں کا سلسلہ دسویں صدی تک چلتا رہا۔' امثال کلیلہ و دمنہ' کی ابتدا مشرق میں ہوئی۔ظالم و جابر حکم رانوں تک دبے کچلے لوگوں کی آواز پہنچانے کے لیے امثال سے بہتر اور کوئی صورت نہیں تھی۔ داستان کی صنف ہندوستان سے چلی اور چین، ایران اور عرب ہوتے ہوئے یونان تک پہنچی۔لقمان حکیم، ایزوب رومی (شاید یہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکیم لقمان ہے) اور بیدبا کی داستانوں کو قدیم ترین کہا جا سکتا ہے۔ امان لاحقی، ابن ہباریہ (الصادح والباغم)، سہل بن ہارون (ثعلبۃ وعفرۃ)، ابن عرب شاہ دمشقی (فاکہتہ الخلفاء و فاکہتہ الظرفاء) اور ابن المقفع (کلیلہ ودمنہ) کے مصنفین یا مترجمین ہیں۔ مقامات ایک طرح سے نصیحت یا لطیفے ہوا کرتے ہیں۔ 'مقامات حریری' کا ہیرو ابوزید سروجی اور راوی حارث بن ہمام ہے اور 'مقامات بدیعی' کا ہیرو ابوالفتح اسکندری اور راوی عیسیٰ بن ہشام ہے۔ ان کی نقل میں ابن اشتر کوفی (م ۳۵۸ھ)، ابن سعید ماری نصرانی طبیب (م ۵۸۹ھ)، احمد بن اعظم رازی، قاسم بن جریان دمشقی اور سیوطی نے مقامات لکھے ہیں۔[۲۱] ترکستان کے ملا نصیرالدین کے لطیفے 'حکایات الجحا' کے نام سے معروف ہیں۔

عربی، فارسی اور اردو میں داستانوں کا جو ذخیرہ ہے ان میں کا اکثر حصہ ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کا مرہونِ منت ہے، بلکہ ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی کتاب کا ترجمہ دوسری زبان میں ہوا اور پھر وہ مزید ترجمہ کے ذریعہ اصل زبان میں واپس آیا۔ اس کی مثال میں 'کلیلہ ودمنہ' کو پیش کیا جا سکتا ہے، جو سنسکرت سے عربی، پھر فارسی، پھر اردو اور اسی طرح مختلف زبانوں میں ترجمہ در ترجمہ ہوتی رہی۔ اس موضوع پر مسٹر رام بابو سکسینہ نے بہت تفصیل سے لکھا ہے۔[۲۲] 'اردو انسائکلوپیڈیا' میں بھی داستان نویسی کا مفصل تاریخی جائزہ لیا گیا ہے۔[۲۳] قدیم دکنی اردو اور فورٹ ولیم کالج کی اردو نیز ناول کی ابتدا سے پہلے کے داستانی ادب کا جائزہ لیا جائے تو مذکورہ دونوں کتابوں کے مطابق اردو داستانوں کی تعداد سو سے اوپر پہنچتی ہے۔ چند مشہور اردو داستانیں درج ذیل ہیں:

[۱] قدیم دکنی زبان میں 'دہ مجلس' از فضلی ۱۷۳۲ء، جو ملا حسین واعظ کاشفی کی 'روضۃ الشہداء' کا ترجمہ ہے۔

[۲] میر محمد عطا حسین خاں متخلص بہ تحسین کی 'نوطرز مرصع'، ترجمہ قصہ 'چہار درویش' (امیر خسرو، مصنفہ ۱۷۹۸ء)۔

[۳] سید حیدر بخش حیدری، قصہ لیلیٰ مجنوں (ترجمہ امیر خسرو)، طوطا کہانی (ترجمہ طوطی نامہ از سید محمد قادری، سنسکرت سے ماخوذ)۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

[۴] 'گلِ مغفرت' (ترجمہ 'روضۃ الشہداء' از ملا واعظ حسین کاشفی)

[۵] 'ہفت پیکر'، نظامی کی 'ہفت پیکر' کا ترجمہ۔

[۶] مرزا کاظم علی جوان۔ کالی داس کی 'شکنتلا' کا ترجمہ۔

[۷] رتن ناتھ سرشار۔ فسانۂ آزاد۔

داستان نویسی- چند بنیادی نکات

درج بالا تفصیل اور مثالوں کا تجزیہ کرنے سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

[۱] داستان یا قصہ (Fiction) غیر حقیقی اور تخیلاتی ہوتا ہے۔

[۲] یہ نظم اور نثر دونوں میں لکھا جا سکتا ہے۔ شعری قصوں کے لیے فارسی اور اردو زبانوں میں ایک مخصوص صنف مثنوی کی ہے۔

[۳] داستان مختصر واقعات کے تسلسل سے بالعموم ایک طویل قصہ پیدا کرنے کا نام بھی ہے، جیسے 'داستان امیر حمزہ'، 'طلسم ہوش ربا'، 'الف لیلۃ ولیلۃ'، 'کلیلہ ودمنہ' وغیرہ۔

[۴] پند و حکایات بھی اس ذیل میں آتے ہیں، جیسے شیخ سعدی کی 'گلستاں' و 'بوستاں'۔ 'لوائح جامی' وغیرہ۔

[۵] اس میں بادشاہوں یا بزرگوں کے مستند اور صحیح قصے نہیں آتے، جن کی حیثیت تاریخ کی ہے، جیسے 'جوامع الحکایات ولوامع الروایات'، جس کا ترجمہ اختر شیرانی نے کیا ہے۔

[۶] مذاہب میں جن قصوں کی صداقت غیر مشتبہ ہے، انہیں داستان نہ کہا جائے گا، لیکن اگر ان قصوں میں دور از کار خیالات کی اس قدر آمیزش ہو کہ اس کا مواد تخیل کا مرہون منت ہو جائے تو انہیں داستان کی صف میں جگہ دی جائے گی، جیسے 'یوسف زلیخا' اور 'جنگ نامہ محمد حنیف' وغیرہ، کیوں کہ ان کی حیثیت اسطوریات mythology کی ہو جاتی ہے۔ سیرت رسول اور سیر صحابہ کو داستان سرائی کا موضوع نہیں بنایا جا سکتا۔ ایسا کرنا تلاعب فی الدین ہوگا۔ عیسائیوں اور یہودیوں نے اپنے پیغمبروں کی سیرت کو مسخ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر دیا ہے ۔ایسے ہی مبدأ و معاد کی تمثیلات کو علم غیب سے متعلق ہونے کی بنا پر داستان نہیں کہا جا سکتا۔

[۷] غیر الہامی مذاہب کے قصوں کی ایک شکل اسطوریات کی ہے ۔ یہ اسطوریات قدیم زمانہ سے ہر ملک اور قوم کے ادب کا اثاثہ ہیں ۔ یونان ، اٹلی ، مصر، ہندوستان ، اور اسکنڈے نیویا وغیرہ ممالک کی اسطوریات کو ہمارے ادب میں جگہ مل چکی ہے ۔ یہاں تک کہ 'شہرزاد' تک کا نام لغت میں آچکا ہے ۔

[۸] کچھ اسلامی قصوں کی شکل بعض مفسرین نے بگاڑ دی ہے ۔ بہت سے قرآنی قصے بائبل کی تبدیل شدہ شکل میں ہیں۔ اسرائیلیات نے تو اور ستم ڈھایا ہے ۔ انبیاء کرام کے بعض قصوں میں اسرائیلیات کی چھاپ ہے ۔ وحی یا الہام کے ساتھ جب غیر الہامی واقعات کو شامل کیا جائے گا تو یہ داستان طرازی ہو جائے گی ۔ 'سلیمان اور بلقیس'، 'یوسف زلیخا' اور 'ہابیل و قابیل' کے قصے اسی لیے داستانوں میں شمار ہوں گے ۔

[۹] عربی زبان میں مقامات کی ایک خاص اہمیت ہے اور خصوصیت سے 'مقامات حریری' اور 'مقامات بدیعی' تمام مقامات میں ممتاز ہیں ۔ مقامات کو داستانوں کی صف میں جگہ دی جائے گی ۔

[۱۰] بعض قرآنی قصوں میں اثری یا تاریخی و علمی تحقیقات نے ندرت پیدا کر دی ہے، جیسے اصحابِ کہف کا قصہ ، ذوالقرنین کا قصہ ،لقمان حکیم اور خضرؑ کے قصے ۔ ان تحقیقاتی تفصیلات کی وجہ سے انہیں داستانوں کی فہرست میں رکھا جا سکتا ہے، کیوں کہ یہ تفصیلات قرآن کے بیان پر غیر معارض اضافہ ہیں ۔

قرآنی قصّے

قرآن کریم میں پچیس انبیاء کے حالات نام کے ساتھ مرقوم ہیں ۔ ان قرآنی بیانات کو داستان نہیں کہا جا سکتا ، کیوں کہ یہ قصے بالکل سچے ہیں ۔لیکن ان میں سے بعض کا ذکر بائبل میں بھی ہے اور بعض کو بائبل نے انبیاء نہیں مانا ہے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام ۔ بہت سی جگہوں پر بائبل اور قرآن کے بیانات میں مطابقت نہیں ہے اور بعض کی تلمودی تشریح وتفسیر ان قصوں کو داستان میں تبدیل کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔ ہمارا ایمان قرآن اور صحیح احادیث میں بیان کردہ تفصیلات پر ہےاوراس ذیل میں بائبل اور تلمود کی داستان سرائی کی وجہ سے ان قصوں کو داستان بنا دینا ایک جسارت بے جا ہے، لیکن بعض قصے، جو صرف تذکیر کے لیے آئے ہیں، یا جن انبیاء کے قصوں میں تذکیر کا پہلو نظر انداز نہیں ہوتا، ان پر داستان کی حیثیت سے کلام کیا جا سکتا ہے۔داستان نویسی کے ذیل میں جو دس نکات اوپر بیان کیے گئے ہیں وہ یہی معیار متعین کرنے کے لیے تھے۔قرآن کریم بصائر وعبر کی حکایات سے پر ہے، لیکن قلم اور وقت کی تنگ دامانی نے صرف سترہ واقعات لیے جنہیں موضوع زیر تذکرہ سے نسبت دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

[ا] **قابیل و ہابیل:** قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا قصہ سورۂ مائدہ کی آیات ۲۷ تا ۳۱ میں آیا ہے۔ان کے نام بائبل میں قائن اور ہابل (Cain & Abel) (کتاب پیدائش، باب۴) اور اسلامی تاریخوں میں قابیل و ہابیل دیے گئے ہیں۔اس قصہ کا حاصل یہ ہے کہ دونوں نے اپنی اپنی نذر اللہ کے حضور پیش کی۔ پرانی شریعتوں میں نذر کی قبولیت کا طریقہ یہ تھا کہ ایک آسمانی آگ مقبول نذر کو جلا دیتی تھی۔ چوں کہ ہابیل نیک اور خدا ترس تھا اوراس نے نذر میں اچھی اور پسندیدہ چیزیں پیش کی تھیں، اس لیے اس کی قربانی قبول کر لی گئی، لیکن قابیل بدخو اور کینہ جو تھا اوراس نے نذر میں خراب اور ناپسندیدہ چیزیں پیش کی تھیں، اس لیے اس کی قربانی نامقبول ٹھیری۔اللہ کے اس فیصلہ سے غضب ناک ہوکر قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا۔علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ 'البدایۃ والنہایۃ' میں سدی کی سند کے ساتھ ایک روایت نقل کی ہے، جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کی توأم بہن، جو خوب صورت تھی، کی شادی ہابیل سے اور ہابیل کی توأم بہن، جو خوب صورت نہیں تھی، کی شادی قابیل سے کر دی۔قابیل کو یہ رشتہ پسند نہیں آیا تو حضرت آدمؑ نے اللہ کی مرضی حاصل کرنے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے نذر پیش کرنے کا حکم دیا، جس کے نتیجہ میں یہ حادثہ پیش آیا۔۲۴؎ اس روایت کی تائید تلمود سے بھی ہوتی ہے۔

قرآن میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد کوّے کے ذریعہ انسان کو مردوں کو دفن کرنے کا طریقہ سکھلایا گیا، کیوں کہ قابیل حیران تھا کہ لاش کا کیا کرے۔ ایک کوّے نے جب دوسرے کوّے کو مار کر اسے زمین کھود کر دفن کیا تو قابیل کو تنبہّ ہوا اور اس نے بھی ہابیل کی لاش کے ساتھ یہی کیا۔ دمشق سے زبدانی اور بلوودان کو جانے والے راستے کی دائیں جانب علاقہ 'تکیہ' میں دریائے بردی کے کنارے بلند پہاڑ پر ایک قبر ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ قبر ہابیل کی ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے اسی رائے کو اختیار کیا ہے۔۲۵؎ لیکن ڈاکٹر شوقی خلیل نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ واقعہ مکہ ہی میں پیش آیا ہوگا، جس کے بعد قابیل اپنے والد سے ڈر کر یمن بھاگ گیا۔۲۶؎ بائبل میں ہے کہ قائن عدن کے قریب نود کے علاقہ میں جا بسا اور وہاں اس کی نسل بھی چلی۔۲۷؎

[۲] حضرت یوسف علیہ السلام: حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا قصہ سورۂ یوسف میں مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے 'احسن القصص' قرار دیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام کے گیارہویں فرزند تھے اور باپ کو بہت عزیز تھے۔ ان کے بڑے بھائیوں نے انہیں حسد کی وجہ سے ایک سوکھے کنویں میں ڈال دیا۔ ایک قافلے نے انہیں اس میں سے نکال لیا اور غلام بنا کر کچھ سکوں کے عوض مصر لے جا کر فروخت کر دیا۔ اللہ کی مشیت یہ تھی کہ ان کے ذریعہ مصر میں اسلام کو غلبہ دلائے، چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر نے خرید لیا۔ لیکن یہاں بھی ان کی آزمائش تھی، کیوں کہ عزیز مصر کی بیوی ان پر عاشق ہوگئی اور ان سے خلوت کا مطالبہ کیا، جس کو آپ نے بہ فضل الٰہی ٹھکرا دیا۔ اس کے نتیجہ میں آپ کو زنداں میں ڈال دیا گیا۔ یہیں آپ کو نبوت تفویض ہوئی اور آپ نے اللہ کی وحدانیت کی تبلیغ شروع کر دی۔ آپ کو علم تعبیر رؤیا عطا ہوا تھا۔ جب شاہ مصر نے ایک بھیانک خواب دیکھا تو آپؑ نے زنداں ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں سے اس کی تعبیر بیان کی۔ بادشاہ نے آپ کو بلوایا تو آپ نے اپنے اوپر لگے الزام کی صفائی سے پہلے زنداں سے نکلنے سے انکار کر دیا۔ بالآخر معاملہ صاف ہونے کے بعد آپ کو بادشاہ کا تقرب حاصل ہوگیا اور قرآن کے بیان کے مطابق آپ نے وزارتِ مالیات کی درخواست کی۔ قرآن نے اس کی تعبیر ان الفاظ میں کی ہے: اِجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ (یوسف: ۵۵) 'مجھے زمین کے خزانوں کا نگراں بنا دیجئے'۔ بائبل کے بیان کے مطابق آپ کو صاحبِ حکم بادشاہ کے نائب کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ (کتاب پیدائش: ۴۱:۴۱) اس کے بعد بادشاہ کے خواب اور اس کی تعبیر کے مطابق زبردست قحط پڑا اور اس کے اثرات کنعان تک پہنچ گئے، جو حضرت یوسف علیہ السلام کا وطن تھا۔ چوں کہ حضرت یوسفؑ کی تدبیروں کی وجہ سے مصر میں خوش حالی اور فراغت تھی، اس لیے ان کے بھائی بھی غلّہ لینے کے لیے آئے۔ آپؑ نے انہیں پہچان لیا، جب کہ وہ لوگ آپ کو نہیں پہچان سکے۔ قصہ مختصر یہ کہ دوسری، بلکہ تیسری بار ان کی آمد پر آپ نے خود کو ان پر ظاہر کیا اور پھر اپنے پورے خاندان کو مصر بلا لیا۔ آپ نے اپنے بھائیوں کا سارا قصور معاف کر دیا۔

یہ بیان قرآن کا ہے۔ اس قصہ میں داستان کی آمیزش یوں ہوتی ہے کہ عزیز مصر کی بیوی کا نام زلیخا نہ قرآن میں مذکور ہے اور نہ بائبل میں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ نام تلمود میں کہیں آیا ہو۔ لیکن اسرائیلیات سے متاثر ہو کر بعض مفسرین نے کچھ بے سر و پا باتیں لکھیں اور ہمارے شاعروں نے 'یوسف زلیخا' کی ایک رنگین داستان تیار کر دی، یہاں تک کہ زلیخا سے حضرت یوسفؑ کی شادی تک کروا دی۔

حضرت یوسف علیہ السلام وفات پانے کے بعد مصر ہی کے علاقہ جشن میں مدفون ہوئے تھے اور ان کی وصیت کے مطابق جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے خروج کیا تو ان کی نعش کو ساتھ لا کر دوبارہ الخلیل (حبرون) میں، جو اس وقت فلسطینی مقتدرہ کے زیر انتظام ہے، دفن کر دیا۔[۲۸] مولانا حفظ الرحمٰن نے حموی کا قول نقل کیا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی قبر بلاطہ میں ہے، جو فلسطین کے علاقہ نابلوس کا ایک گاؤں ہے۔[۲۹] بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے بزرگوں نے اس 'احسن القصص' کو عشقیہ کہانی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شکل میں پیش کر کے ایک داستان بنا دیا، جو حضرت یوسف علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کے ساتھ بڑی نا انصافی، بلکہ گستاخی ہے۔

[۳] **حضرت خضر:** آپ ہی سے سکندر اور آب حیواں کا قصہ منسوب ہے۔ آپ کا قصہ سورۂ کہف آیات: ۵۶ تا ۸۲ میں مذکور ہے۔ آپ کا نام قرآن میں مذکور نہیں، لیکن صحیح بخاری میں حضرت سعید بن جبیرؓ کی روایت میں آیا ہے۔ آپ کا واقعہ یوں ہے کہ ایک بار کسی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ اس وقت دنیا میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا: میں۔ اللہ کو یہ بات ناپسند ہوئی اور اس نے انہیں مجمع البحرین جانے کا حکم دیا، جہاں پر اپنے ایک بندے کو اس نے اپنے پاس سے وہ علم عطا کیا تھا جو حضرت موسیٰؑ کو نہیں دیا گیا تھا۔ (الکہف : ۶۵) کیوں کہ حضرت موسیٰؑ کو علم تشریعی دیا گیا تھا، جب کہ حضرت خضر کو علم تکوینی عطا ہوا تھا۔ حضرت خضر نے حضرت موسیٰؑ کے سامنے غریبوں کی کشتی کو پھاڑنے، ایک نوجوان کو قتل کرنے اور بلا مزدوری یتیم بچوں کی دیوار کو سیدھا کرنے کی جو تاویل پیش فرمائی اسی کو علم لدنّی کہا جاتا ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے بعض متقدمین کے اقوال کی بنا پر بحر روم اور بحر قلزم کے ایک ممکنہ اتصال کو مجمع البحرین قرار دیا ہے۔[۳۰] لیکن مولانا مودودی نے سوڈان میں خرطوم کے پاس نیل ازرق اور نیل ابیض کی جائے اتصال کو بتایا ہے۔ انہوں نے حضرت خضر کے بارے میں مغربی مفکرین کے قیاسات پر نکیر کرتے ہوئے ان پر بہت سخت الفاظ میں تنقید کی ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس واقعہ کو تلمود میں بیان کیا گیا ہے، لیکن بجائے خضر کے اسے ربی یہوحانان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ معلوم رہے کہ نام نہاد مغربی محققین نے اس واقعہ کے مآخذ کا کھوج لگاتے ہوئے تین قصوں پر انگلی رکھی ہے: ایک داستان گلگامیش، دوسرے سکندر نامہ سریانی اور تیسرے وہ یہودی روایت جس کا ذکر اوپر ہوا ہے۔[۳۱] ڈاکٹر شوقی ابو خلیل نے مجمع البحرین کو بحر اردن (ایلہ، عقبہ) اور بحر قلزم (بحر احمر) کا درمیانی علاقہ یا طنجہ کا علاقہ (مضیق جبل الطارق) بتایا ہے۔[۳۲]

[۴] **حضرت حزقیل علیہ السلام** ۔ قرآن کریم کی سورۃ البقرۃ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آیت ۲۴۳ میں ایک واقعہ مذکور ہے۔ اس آیت کا ترجمہ یہ ہے: ''تم نے ان لوگوں کے حال پر بھی کچھ غور کیا جو موت کے ڈر سے اپنا گھر بار چھوڑ کر نکلے تھے اور ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ اللہ نے ان سے فرمایا: مرجاؤ۔ پھر ان کو دوبارہ زندگی بخشی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ انسان پر بڑا فضل فرمانے والا ہے، مگر اکثر لوگ شکر نہیں ادا کرتے''۔

مولانا مودودی نے اس آیت کو بنی اسرائیل کے واقعۂ خروج کے زمانہ پر منطبق کیا ہے[۳۳] لیکن مولانا حفظ الرحمٰن نے اسے حضرت حزقیلؑ سے متعلق قرار دیا ہے اور تائید میں تورات سے دلائل دیے ہیں۔[۳۴] حضرت حزقیلؑ کے نام سے بائبل میں پوری ایک کتاب ہے، جس میں ۴۸/ابواب ہیں۔ اس کتاب کے باب ۱۶ میں حضرت حزقیلؑ کی زبانی بنی اسرائیل کی بدکاریوں کی تفصیل مذکور ہے، مگر اس کی زبان اتنی فحش ہے کہ اسے کلام الٰہی تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا سیو ہاروی نے جہاد کے لیے نبی کا حکم نہ ماننے پر پورے قبیلہ پر موت طاری کردینے کے واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے مذکورہ آیت سے حضرت حزقیلؑ کے نبی ہونے پر دلیل قائم کی ہے۔[۳۵] ان کے حالاتِ زندگی کے لیے بائبل کی کتاب 'حزقیل' کا مطالعہ مفید ہوگا۔

[۵] **حضرت سموئیل علیہ السلام:** سورۂ بقرہ کی آیات ۲۴۶ تا ۲۵۲ میں مذکور ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنے وقت کے نبی سے مطالبہ کیا کہ ان کا ایک سردار مقرر ہونا چاہیے، جس کے جھنڈے تلے وہ مشرکوں سے جہاد کریں۔ چوں کہ یہ زمانہ حضرت داؤد علیہ السلام کے نبی بنائے جانے سے پہلے کا ہے، اس لیے یہ نبی توریت کے بیان کے مطابق سموئیلؑ ہیں، جن کے نام سے موجودہ بائبل میں دو کتابیں ہیں۔ پہلی کتاب ۳۱/ابواب اور دوسری کتاب ۲۴/ابواب پر مشتمل ہے۔ یہ دراصل بنی اسرائیل کی اس زمانہ کی تاریخ ہے جب نبوت اور امارت الگ الگ ہوگئے تھے۔ قرآن کا بیان ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے فرمائش کی کہ ان کے لیے ایک بادشاہ مقرر کردیا جائے، تاکہ اس کی رہ نمائی میں وہ جہاد کریں۔ نبی نے کہا کہ کہیں اس کے بعد تم اپنے وعدہ سے روگردانی تو نہ کروگے۔ جب انہوں نے اقرار کرلیا کہ وہ ایسا نہ کریں گے تو اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے طالوت (بائبل میں اس کا نام ساؤل مذکور ہے) کو بادشاہ بنا دیا۔اس پر انہوں نے اعتراض کیا کہ یہ شخص نہ تو قوت و طاقت میں ہم سے برتر ہے اور نہ مال و دولت میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی وجہ سے تم کو تابوت سکینہ واپس ملے گا، جس میں موسیٰؑ و ہارونؑ کے تبرکات ہیں اور جسے دشمن اٹھا لے گئے ہیں۔ طالوت جب لشکر لے کر چلا تو اللہ کے حکم سے اس نے لشکریوں کو ایک نہر پر پانی پینے سے منع کیا، جس کا مقصد ان کی اطاعت کا امتحان لینا تھا۔ لشکریوں نے خلافِ حکم پانی پی لیا اور جنگ کرنے کی قوت سے محروم ہوگئے۔ ۔صرف چند ہی لوگ اس وعدے پر پورے اتر سکے اور انہی کے ذریعہ اللہ نے بنی اسرائیل کو فتح نصیب فرمائی۔ اسی معرکہ میں داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا تھا۔ بنی اسرائیل کی اس تاریخ کو قرآن کریم نے چند آیات میں سمیٹ دیا ہے، جب کہ سموئیل اول و دوم کے ۵۵/ ابواب میں غیر ضروری تفصیلات اور رطب و یابس سے پُر بیانات ہیں، جن کی حیثیت اساطیری ہوگئی ہے۔

[٦] **حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکۂ سبا:** اس واقعہ کا تذکرہ سورۂ نمل کی آیات ١٦ تا ۴۴ میں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو منطق الطیر کا علم عطا ہوا تھا۔ ایک روز انہیں ہدہد نظر نہیں آیا۔ جب وہ آیا تو اس نے بتایا کہ وہ ایک آفتاب پرست قوم کے یہاں تھا، جہاں کی حکم راں ایک عورت ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے ایک خط بھیج کر اسے بلوایا۔ تعمیل حکم میں وہ آئی، اطاعت کی اور اسلام قبول کیا۔ یہ ملکۂ سبا تھی۔ قرآن چوں کہ قصہ کا تذکیری پہلو بیان کرتا ہے، اس لیے اس نے ملکہ کا نام نہیں بتلایا، لیکن اسرائیلی روایات میں اس کا نام بلقیس آیا ہے۔ اسی سے حضرت سلیمان علیہ السلام اور بلقیس کی داستان وضع ہوئی ہے۔ ابن کثیرؒ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے ملکۂ سبا بلقیس سے نکاح کر لیا تھا۔[٣٦] صاحب 'قصص القرآن' کے مطابق اہل حبشہ اپنے کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد خیال کرتے ہیں۔[٣٧] بائبل میں یہ قصہ دوسری طرح بیان ہوا ہے جو اسے داستان کا رنگ دے دیتا ہے۔ اس میں مرقوم ہے کہ ملکۂ سبا بڑے کرّ و فر اور تحفے تحائف کے ساتھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت سلیمانؑ کے دربار میں آئی۔ اس کے تحائف اور دربارِ سلیمانؑ کی شان و شوکت کی تفصیل بڑی فراخ دلی سے بیان ہوئی ہے، جو یہودیوں کی مال و دولت سے محبت کی دلیل ہے۔ ۳۸؎

[۷] **حضرت ایوب علیہ السلام:** تاریخ وادب اور اسلامی روایات میں حضرت ایوب علیہ السلام کا مثالی صبر مشہور ہے۔ قرآن کریم میں سورۂ نساء: ۱۶۳/ اور سورۂ انعام: ۸۴ میں ان کا صرف نام اور سورۂ انبیاء: ۸۳ تا ۸۴ نیز سورہ صٓ: ۴۱ تا ۴۴ میں ان کا واقعہ بھی بیان ہوا ہے۔ اس سے صبر ایوب کی پوری تصویر سامنے آگئی ہے۔ اس کے برخلاف بائبل کے سفرِ ایوب (Book of Job) میں بیالیس ابواب اور سینکڑوں آیتیں ہیں، لیکن یہ صبر ایوب کی عکاسی کرنے کے بجائے شکوۂ ایوب کا مرقّع ہے۔ اس میں حضرت ایوبؑ کے تین ساتھی اور دوست اس شکوہ پر ان کو ملامت تک کرتے ہیں۔ حضرت ایوبؑ قبولیتِ دعا سے مایوس ہیں، اس کے باوجود اللہ اپنے فضل و کرم سے انہیں اچھا کرتا ہے۔ محققین کے نزدیک بائبل کی یہ واحد کتاب ہے جو اصلاً عربی زبان میں لکھی گئی تھی، اس کا ترجمہ بعد میں یونانی زبان میں ہوا۔ کیتھولک بائبل کے مطابق اس کا مصنف نامعلوم ہے، لیکن بہرحال یہ دسویں صدی قبل مسیح میں لکھی گئی کتاب ہے۔ اس میں ایوبؑ کے تین دوستوں الیفاز، بلداد اور زوفار کی زبانی انسانی تکالیف اور گناہوں کی تاویل بیان کی گئی ہے۔ پھر ایک چوتھا شخص علیہو ان کے دلائل کو جمع کرتا ہے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ ایوبؑ سے خود ہم کلام ہوکر اسے تسلی دیتا اور شفا بخشتا ہے۔ اس پوری کتاب میں حضرت ایوبؑ کا کردار قطعی منفی ہے، جب کہ قرآن کہتا ہے: ''اور ایوب (کا معاملہ بھی یاد کرو) جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا: میں دکھ میں پڑ گیا ہوں اور خدایا! تجھ سے بڑھ کر رحم کرنے والا کوئی نہیں؛ پس ہم نے اس کی دعا قبول کرلی اور اس کا دکھ دور کردیا اور اس کا کنبہ اور اسی کے مثل اپنی رحمت سے مزید عطا کیا، تاکہ عبادت گذار بندوں کے لیے نصیحت ہو''۔ (الانبیاء: ۸۳،۸۴) سورۂ صٓ میں مزید تفصیل کے ساتھ حضرت ایوبؑ کے ایک قسم کو پورا کرنے کی تدبیر بتائی گئی، جس میں اہل خرد کے لیے تسہیل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی راہ ہے۔فرمان الٰہی ہے:''اور ہمارے بندے ایوب کا ذکر کرو، جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھے تکلیف اور عذاب میں ڈال دیا ہے۔(ہم نے اسے حکم دیا) اپنا پاؤں زمین پر مار، یہ ہے ٹھنڈا پانی نہانے کے لیے اور پینے کے لیے۔ہم نے اسے اس کے اہل وعیال واپس دئے اوران کے ساتھ اتنے ہی اپنی طرف سے رحمت کے طور پر، (اورہم نے اس سے کہا) تنکوں کا ایک مٹھا لےاوراس سے مار دے، اپنی قسم نہ توڑ۔ہم نے اسے صابر پایا، بہترین بندہ اپنے رب کی طرف رجوع کرنے والا''۔(صٓ:۴۱ تا ۴۴)

واضح رہے کہ بائبل نے حضرت ایوبؑ کو پیغمبر تسلیم نہیں کیا ہے، جب کہ مسلمانوں کے نزدیک وہ ایک برگزیدہ نبی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے زبردست تکلیفوں سے آزمایا۔حضرت ایوبؑ کا قصہ بائبل کے افسانے کی وجہ سے داستان کے ذیل میں آتا ہے۔

[۸] **حضرت یونس علیہ السلام:** حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ قرآن کریم کی اٹھارہ آیتوں میں آیا ہے۔سورۂ نساء:۱۶۳،اورسورۂ انعام: ۸۷ میں صرف نام ہے، لیکن سورۂ یونس: ۹۸، سورۂ انبیاء: ۸۷، ۸۸، سورۂ صافات: ۱۳۹ تا ۱۴۸ اور سورۂ قلم: ۴۸ تا ۵۰ میں ان کے انبیائی واقعات پر مختصر روشنی ڈالی گئی ہے۔حضرت یونس علیہ السلام کو ذوالنون بھی کہا جاتا ہے، کیوں کہ جب یہ اپنی قوم سے مایوس اور غضب ناک ہوکر فرار ہورہے تھے تو دریا عبور کرتے وقت ان کو کشتی سے پھینک دیا گیا تھا اور انہیں ایک مچھلی نگل گئی تھی، جس کے پیٹ میں وہ کچھ عرصہ رہے۔وہاں انہوں نے اللہ کو پکارا: **لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ** (الانبیاء: ۸۷) 'خدایا تیرے سوا کوئی معبود نہیں! تیرے لیے ہر طرح کی پاکی ہو، حقیقت یہ ہے کہ میں نے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا'۔

بائبل میں ان کے نام یوناہ (Jonah) سے ایک مختصر کتاب منسوب ہے، جس میں صرف چار ابواب اور ۴۸ آیات ہیں۔عیسوی اساطیر میں ان کی اہمیت اس لیے ہے کہ جس طرح تین دن رات یہ مچھلی کے پیٹ میں رہ کر زندہ باہر آئے تھے ایسے ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام مصلوب ومقبور ہونے کے تین دن بعد ظاہر ہوئے تھے۔ قرآنی آیات اور اسلامی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کی ہدایت سے مایوس ہوکر اللہ کے حکم کا انتظار کیے بغیر انہیں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اس طرح اللہ کی حجت پوری نہیں ہوئی اور انہیں آزمائش میں مبتلا ہونا پڑا۔ اس کے برخلاف بائبل کی کتاب یوناہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یونسؑ حکمِ الٰہی پر شہر نینوہ گئے ہی نہیں تھے۔[۳۹] اس طرح بائبل اور قرآن کے بیانات میں واضح فرق ہے۔[۴۰]

۹۔ **حضرت عزیر:** ان کا ذکر قرآن کریم کی سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۳۰ میں ہے۔ اس میں کہا گیا ہے کہ یہود نے عزیر کو اور نصاریٰ نے مسیح کو اللہ کا بیٹا بنالیا ہے۔ مسیح کو بیٹا بنانے کی بات تو سبھی جانتے ہیں، لیکن حضرت عزیر کو بیٹا بنانے کی بات سے لوگ بالعموم ناواقف ہیں۔ مولانا مودودیؒ نے اس آیت کی تشریح میں لکھا ہے کہ ’’حضرت عزیر (توریت میں یہ نام عزرا (Ezra) ہے، جن کو یہودا اپنے دین کا مجدد مانتے ہیں) کا زمانہ ۴۵۰ ق م کے لگ بھگ بتایا جاتا ہے۔ اسرائیلی روایات کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جو دورِ ابتلاء بنی اسرائیل کے اوپر آیا اس میں نہ صرف توراۃ دنیا سے گم ہوگئی تھی، بلکہ بابل کی اسیری نے اسرائیلی نسلوں کو اپنی شریعت، اپنی روایات اور اپنی قومی زبان عبرانی تک سے ناآشنا کردیا تھا۔ آخر ان کے لیے عزیرؑ یا عزرا نے بائبل کے پرانے عہد نامہ کو پھر سے مرتب کیا اور شریعت کی تجدید کی۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل ان کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور یہ تعظیم اس حد تک بڑھ گئی کہ بعض یہودی گروہوں نے ان کو ابن اللہ تک بنادیا‘‘۔[۴۱]

ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں کئی صحابہ کے حوالوں سے لکھا ہے کہ دراصل ساتویں صدی قبل مسیح میں بخت نصر نے یروشلم پر حملہ کرکے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی (اس کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۵ میں آیا ہے) اور سارے بنی اسرائیل کو قید کرکے بابل لے گیا تو اس وقت حضرت عزیر بچے تھے۔ بابل کی ستر سالہ اسیری کے بعد ایرانی شہنشاہ سائرس نے بنی اسرائیل کو فلسطین جانے کی اجازت دی تو اسرائیلی روایات کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مطابق حضرت عزیر نے الہام کے ذریعہ توریت دوبارہ لکھوائی۔۴۲؎ اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے مولانا سیوہاروی لکھتے ہیں: ''بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ جس وقت انھوں نے بنی اسرائیل کو جمع کیا تو سب کی موجودگی میں آسمان سے دو چمکتے ہوئے 'شہاب' اترے اور حضرت عزیر کے سینے میں سما گئے۔ تب حضرت عزیر نے بنی اسرائیل کو توراۃ مرتب کر کے عطا فرمائی تو بنی اسرائیل نے انتہائی مسرت کا اظہار کیا اور ان کے قلوب میں حضرت عزیر کی قدر و منزلت بڑھ گئی اور آہستہ آہستہ اس محبت نے گم راہی کی شکل اختیار کر لی کہ انھوں نے عزیر کو اسی طرح خدا کا بیٹا بنا لیا جس طرح نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو تسلیم کرتے ہیں''۔۴۳؎

۱۰۔ **حضرت لقمان:** حضرت لقمان کی شخصیت نہ صرف مشرق بلکہ مغرب میں بھی کافی معروف ہے۔ ان کی طرف حکمت کی باتیں منسوب ہیں اور ان کے بارے میں کئی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں۔ قرآن کریم میں لقمان کے نام سے ایک سورۃ ہے جس میں ان کی اپنے بیٹے کے نام نصیحت تفصیل سے مذکور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکمت سے نوازا تھا۔

لقمان کو ان کی پر از حکمت باتوں کی وجہ سے حکیم کہا جاتا ہے۔ مفسرین اور مؤرخین کی تصریح کے مطابق وہ حبشی غلام تھے اور نجاری کا پیشہ کرتے تھے۔ ان کا تعلق مصر یا سوڈان سے تھا۔ اگرچہ انہیں نبوت نہیں دی گئی، لیکن حکمت و دانائی سے وافر حصہ عطا ہوا تھا۔ عبد الرحمٰن بن حرملہ کہتے ہیں کہ سوڈانیوں میں تین آدمی بہترین ہوئے ہیں: حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت عمرؓ کے غلام مہجع اور لقمان حکیم سوڈانی نوبی۔۴۴؎

محمد بن اسحٰق صاحب مغازی نے انہیں عرب بائدہ (جو قومیں مٹ گئیں) کی نسل سے بتایا ہے۔ وہب بن منبہ کی روایت کے بہ موجب وہ سبا کے بادشاہ تھے۔ یہ بادشاہت ان کے بھائی شداد بن عاد کے مرنے کے بعد انہیں ملی تھی۔ یہ روایت اسرائیلیات میں ہونے کی وجہ سے نا قابل اعتبار ہے۔ بہ ہر حال اتنی بات تو طے ہے کہ یہ ایک ایسے فرد تھے جن میں اللہ تعالیٰ نے حکمت اور دانائی کو کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا۔ قرآن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حکیم میں جتنا کچھ ہے وہ بالکل صحیح ہے اور روایات میں جو کچھ ہے فقط زیب داستان کے لیے ہے۔

۱۱۔اصحاب سبت: قرآن عزیز میں اصحاب سبت کا ذکر سورۂ بقرہ (آیات ۶۵۔۶۶) سورۂ نساء (آیت ۴۷) سورۂ مائدہ (آیت ۶۰) اور سورۂ اعراف (آیات۱۶۳ تا ۱۶۶) میں ہے۔ان کا زمانہ تقریباً ۱۱۰۰ ق م کا ہے۔قصہ یوں ہے کہ بنی اسرائیل کے لیے سبت (سنیچر) کا دن مقدس اور عبادت کے لیے مخصوص کیا گیا تھا۔ اس دن ان کے لیے کھانا، پکانا، کاروبار کرنا، خرید وفروخت کرنا اور شکار وغیرہ کرنا ممنوع تھا۔ان کا ایک گروہ سمندر کے کنارے بستا تھا اور شکار پر زندگی بسر کرتا تھا۔اللہ نے ان کا امتحان لینا چاہا تو سنیچر کے روز سمندر میں اتنی مچھلیاں آتیں کہ ابلنے لگتیں اور دوسرے دنوں میں کم آتی تھیں۔بنی اسرائیل کے لالچی اور جلد باز لوگ سنیچر کے روز مچھلیوں کے آگے بند باندھ دیتے، تاکہ وہ واپس نہ جاسکیں اور انہیں اتوار کو شکار کر لیتے ۔اس حرکت پر بنی اسرائیل کے تین گروہ ہوگئے۔ایک گروہ وہ تھا جو تبلیغ کا فریضہ انجام دیتا رہا تھا۔دوسرے گروہ کا کہنا تھا کہ انہیں وعظ ونصیحت کرنا بیکار ہے، کیوں کہ وہ سنبھلنے والے نہیں ہیں۔ تیسرا گروہ کچھ دن ان کو نصیحت کرتا رہا، پھر اس سے رک گیا۔قرآن کے بیان کی رُو سے جب اللہ کا عذاب آیا تو پہلے گروہ کو اس نے نجات دی اور دوسرے گروہ کی صورت مسخ کرکے انہیں سور اور بندر بنا دیا۔ تیسرے گروہ کے بارے میں قرآن خاموش ہے۔ مفسرین اس بارے میں دو رائے ہوگئے ہیں۔ایک کے نزدیک یہ بھی مبتلائے عذاب ہوئے، دوسرے کے نزدیک ان کا معاملہ واضح نہیں ہے۔حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی جاتی ہے کہ یہ مدین کا واقعہ ہے۔ابن زیدؒ کا کہنا ہے کہ مقام کا نام مقنا تھا، جو مدین اور عینونا کے درمیان واقع تھا۔[۴۵] ایک اور روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس ہی سے یہ منقول ہے کہ اس بستی کا نام ایلہ تھا۔(یہ نام نہاد ریاست اسرائیل کی ایک بندرگاہ ہے جو عقبہ کے شمال میں اور خلیج عقبہ پر واقع ہے۔)اس واقعہ کا ذکر بائبل میں نہیں ملتا، لیکن مولانا مودودی کا خیال ہے کہ چوں کہ یہود نے قرآن کے اس بیان پر اس زمانہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کوئی اعتراض نہیں کیا، اس لیے وہ اس واقعہ سے یقیناً واقف تھے۔ ۴۶

۱۲۔ **اصحاب القریۃ:** ان کا ذکر سورہ یٰس (آیات ۱۳ تا ۲۹) میں ہے۔ یہ سترہ آیتیں ہیں لیکن ان کا قصہ بہت مختصر ہے۔ یہ گم راہ لوگوں کی ایک بستی تھی جس کی طرف اللہ نے دو رسول بھیجے تھے، تاکہ وہ انہیں راہ حق دکھائیں، لیکن بستی والوں نے انہیں جھٹلایا۔ اتنے میں شہر کے دور دراز گوشے سے ایک تیسرا شخص آیا اور اس نے پہلے رسولوں کی تصدیق کی، لیکن بستی والوں نے اسے قتل کر دیا۔ قتل ہوتے ہی وہ قرآن کے بیان کے مطابق جنت میں پہنچ گیا۔ اس کے بعد اس قوم کو ایک دھماکے نے تباہ کر دیا۔

مفسرین اور مؤرخین کا خیال ہے کہ جس جگہ یہ واقعہ پیش آیا وہ شہر انطا کیہ تھا، جو اس زمانہ میں مملکت روم کے ایشیائی حصہ کا صدر مقام تھا۔ مولانا حفظ الرحمٰن کا رجحان بھی اسی کی طرف ہے۔ ۴۷ ڈاکٹر شوقی ابو خلیل نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے۔ ۴۸ لیکن مولانا مودودی نے کسی مقام کی تعیین سے انکار کیا ہے۔ ۴۹ طبرانی نے معجم میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: تین ہستیاں وہ ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی نقیب کہلاتی ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کے نقیب حضرت یوشعؑ، حضرت عیسیٰؑ کے نقیب اصحاب یٰسین، اور رسول اللہ ﷺ کے نقیب حضرت علیؓ تھے۔ (آپ ہی نے حجۃ الوداع کے موقع پر سورۂ توبہ کی ابتدائی دس آیتیں اہل مکہ کے سامنے پیش کر کے رسول اللہ ﷺ کی نیابت فرمائی تھی)۔ ۵۰

۱۴۔ **ذوالقرنین:** ذوالقرنین کا ذکر سورۂ کہف کی آیات ۸۳ تا ۹۸ میں ہے۔ اس قصہ میں سدِ ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج کا بھی ذکر ہے۔ اس طرح ایک ہی قصہ کی تین شاخیں ہو جاتی ہیں۔ ان تمام نکات پر اردو مفسرین میں مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا مودودی نے اطمینان بخش گفتگو فرمائی ہے۔ قدیم مفسرین نے ذوالقرنین سے مراد سکندر مقدونی کو لیا ہے۔ مولانا حفظ الرحمٰن کی رائے اس بارے میں مضطرب ہے، جیسا کہ ان کے استدراک سے ظاہر ہے۔ ۵۱ سکندر مقدونی تو ایک مشرک فاتح تھا، جو قدیم یونانی اساطیری مذہب کا پیرو تھا۔ اس کا تسخیر ممالک میں ہندوستان تک پہنچ جانا اسے ذوالقرنین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثابت نہیں کرتا، کیوں کہ ذوالقرنین مسلمان تھا۔ مولانا آزاد نے مختلف دلائل سے کام لیتے ہوئے، جس میں مشرق ومغرب اور شمال میں اس کی فتوحات شامل ہیں، قرآنی آیتوں کا مصداق ایران کے شہنشاہ سائرس (کیخسرو) کو ٹھیرایا ہے۔ اس ذیل میں انہوں نے زردشت اور دین زردشتی کا اسلام ہونا بھی ثابت کیا ہے۔ اس موضوع پر وہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر (ترجمان القرآن، جلد اول) میں بھی کلام کرچکے ہیں۔ مولانا آزاد نے اس طویل بحث میں دربند کے درے کو سدِّ ذوالقرنین ثابت کیا ہے اور کاکیشیا کے شمال میں بسنے والے سیتھین وحشیوں کو یاجوج ماجوج تسلیم کیا ہے۔[۵۲] مولانا مودودی نے بھی ذوالقرنین، سد ذوالقرنین اور یاجوج ماجوج کے مسئلہ میں ان کی تحقیق کو درست قرار دیا ہے اور ان کی طرح مغربی مؤرخین کے حوالے بھی دیے ہیں۔[۵۳]

۱۵۔ **اصحاب الکهف والرقیم:** ان کا قصہ قرآن کریم کی سورۂ کہف (آیات ۹ تا ۲۲) میں تسلسل کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ یہ چند موحد لوگ تھے (اور غالباً صحیح عیسویت کے پیرو تھے) جو اپنے مشرک بادشاہ کے ظلم سے تنگ آکر ہجرت کر گئے تھے اور جاکر ایک غار میں پناہ لی تھی۔ اللہ نے انہیں وہاں سلا دیا۔ ان کی نیند تقریباً تین سو سال بعد ٹوٹی تو حکومت بدل چکی تھی۔ انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو سکّہ دے کر کھانا لانے کے لیے شہر بھیجا تو تین سو سال پرانے سکہ کی وجہ سے لوگوں کو ان کے حال کا علم ہوا۔ اب وہاں عیسائیوں کی حکومت ہوچکی تھی۔ جب لوگ ان بزرگوں کی تلاش میں غار پر پہنچے تو اللہ نے انہیں ابدی نیند سے ہم کنار کردیا۔ اس وقت غالباً حشر میں انسانوں کے دوبارہ زندہ کیے جانے کی بحث چھڑی ہوئی تھی۔ اس واقعہ سے اس کے ثبوت میں ایک دلیل ہاتھ آگئی، لیکن عوام الناس کی ضعیف الاعتقادی نے انہیں یہ راہ دکھائی کہ انہوں نے کہا کہ ہم یہاں بہ طور یادگار ایک مسجد بنائیں گے۔ اس قصہ کا زمانہ متعین کرنے میں مفسرین نے کافی کاوشیں کی ہیں۔ قدیم مؤرخوں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ گبن (Edward Gibbon) نے 'تاریخ زوال وسقوط روما' (Decline and Fall of the Roman Empire) میں 'سات سونے والوں' (Seven

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(Sleepers) کا ایک قصہ نقل کیا ہے جو ہو بہو اس واقعہ پر صادق آتا ہے۔ اسی وجہ سے گبن نے رسول گرامی ﷺ پر نقل کا الزام لگایا ہے۔ مسلم مفسرین نے مشرک بادشاہ کا نام دقیانوس لکھا ہے جو گبن کے Decius کی تعریب ہے۔ مقام بھی دونوں کے یہاں اِفُسس (Ephesus) ہے۔ دونوں کے بیان کے مطابق جب ان لوگوں کی آنکھ کھلی تو شہنشاہ تھیوڈوسیس (Theodosius) کا زمانہ آگیا تھا اور عیسائی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ اس لیے قصہ کی تاریخی حیثیت مسلّم ہے۔ مولانا مودودی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔۵۴ ڈاکٹر شوقی ابو خلیل نے بھی اپنے اطلس میں اس غار کا جائے وقوع اِفُسس کو بتایا ہے، جو موجودہ ترکی میں واقع ہے۵۵ مولانا آزاد نے الرقیم کے لفظ سے استدلال کرتے ہوئے اس قصہ کا جائے وقوع بطرا (Pitra) ثابت کیا ہے، جہاں نبطیوں کے تراشے ہوئے غار ہیں۔۵۶

۱۶۔ اصحاب الاخدود یا قوم تبّع: (۵۲۵ء) اصحاب الاخدود کا ذکر سورۂ بروج (آیات ۴ تا ۷) میں ہے اور قوم تبّع کا نام سورہ ق کی آیت نمبر ۱۴ میں آیا ہے۔ فی الواقع یہ دونوں واقعات ایک ہیں یا الگ الگ، اس سلسلے میں مفسرین ومؤرخین کا اختلاف ہے۔ مولانا مودودی نے سورہ سبا کی تفسیر (حاشیہ نمبر ۳۷) کے ذیل میں سبا، حمیر، تبع اور سد مآرب وغیرہ کی تاریخ بیان کی ہے، لیکن انہوں نے تبان یمن اور اصحاب الاخدود کو ایک نہیں قرار دیا ہے۔ موصوف نے ان تشریحات وتفصیلات میں عربی اور اسلامی مصادر ہی نہیں، بلکہ مغرب کے عیسائیوں کی تحقیقات اور مصادر سے بھی کام لیا ہے۔۵۷ مولانا حفظ الرحمٰن نے دونوں قصوں کو ایک کر کے بہت طویل بحث کی ہے۔ موصوف نے اس سلسلہ میں احادیث وآثار میں موجود بہت سے واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔۵۸ علامہ سید سلیمان ندوی نے تاریخ ارض القرآن میں ان تمام نکات سے بحث کی ہے۔۵۹ بہ طور قصہ کے اتنا جان لینا کافی ہے کہ نجران کے یہودی بادشاہ ذونواس نے عیسائیوں کو دین یہود قبول کرنے پر مجبور کیا اور قبول نہ کرنے پر انہیں ایک گڑھے میں ڈلوادیا، جس میں آگ کا الاؤ جلایا گیا تھا۔ اس میں تذکیر کا پہلو یہ ہے کہ ایسے زبردست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بادشاہوں کو بھی اللہ نے تباہ کر دیا اور تاریخی پہلو یہ ہے کہ اسی کے نتیجہ میں حبش کے عیسائی بادشاہ نے، جو شہنشاہ روم کے ماتحت تھا، یمن پر حملہ کر کے پورے علاقہ پر قبضہ جما لیا۔

۱۷۔ **اصحاب الفیل:** ان کا پورا قصہ بہ طور تذکیر اور تحدیثِ نعمت سورۂ فیل میں بیان ہوا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے: ''تم نے دیکھا نہیں کہ تمہارے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اس نے ان کی تدبیر کو اکارت نہیں کر دیا اور ان پر پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج دیے، جو ان پر پکے ہوئی مٹی کے پتھر پھینک رہے تھے، پھر ان کا حال یہ کر دیا (جیسے جانوروں کا) کھایا ہوا بھوسا''۔ اصحاب فیل کے بارے میں یہ بات معروف ہے کہ یمن کا بادشاہ ابرہہ ہاتھیوں کے ایک لشکرِ جرار کے ساتھ کعبہ کو ڈھانے کے لیے مکہ آیا تھا، لیکن وادیٔ محسّر ہی میں اللہ نے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ بھیج کر کنکریوں کے ذریعہ انہیں بالکل تباہ و برباد کر دیا۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک متنفس بھی باقی نہیں بچا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کا سال تھا اور اہل مکہ اس واقعہ کے خود گواہ تھے۔ یہ ایسا محیّر العقول واقعہ تھا کہ اس زمانہ کی تمام تاریخوں میں اس کا ذکر ہے۔ یہاں تک کہ یورپ کے عیسائی محققین بھی تاریخ کے اس عذاب الٰہی پر انگشت بدنداں ہیں۔

عبرت اور موعظت کے لیے قرآن میں اور بھی بہت سے واقعات ہیں۔ اس میں سرکش قوموں کی تباہی کو بہ طور نمونہ پیش کیا گیا ہے، تاکہ لوگ پیغمبروں پر ایمان لے آئیں۔ قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوطؑ اور قوم شعیبؑ کے قصے بھی ہیں، جنہیں داستان کی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے، لیکن ان میں مقصدیت کا پہلو غالب رہنا چاہیے۔

احادیث میں مذکور چند قصّے

حدیث کے ذخیرہ میں بھی ہمیں اس موضوع پر بہت کچھ مواد مل جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں نہایت احتیاط کے ساتھ ذیل میں چند اہم قصوں کی طرف صرف اشارے کیے جا رہے ہیں۔ واضح رہے کہ روایت بالمعنی کی اجازت کے تحت قصوں کی صرف تلخیص پیش کی جا رہی ہے، لیکن حوالے دے دیے گئے ہیں، تاکہ پورا قصہ تلاش کرنے میں آسانی ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

[۱] اصحاب الاخدود کے قصہ میں ایک جادوگر کا ذکر آتا ہے، جس نے ایک لڑکے کو جادو سکھانے کی کوشش کی تھی۔ حضرت صہیبؓ سے مروی ہے کہ حضورﷺ نے بتایا کہ قدیم زمانے میں ایک جادوگر تھا۔ جب وہ بوڑھا ہوگیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ میرے پاس کوئی لڑکا بھیجو، تا کہ میں اسے جادو سکھا دوں۔ بادشاہ نے ایک لڑکے کو بھیجا، لیکن اس لڑکے کا ربط ایک راہب سے ہوگیا اور وہ جادوگر کے پاس جانے کے بجائے راہب کے پاس جانے لگا۔ ایک مرتبہ ایک بڑے جانور نے لوگوں کا راستہ روک رکھا تھا۔ اس لڑکے نے اللہ کا نام لے کر اسے ایک پتھر مارا تو وہ جانور مر گیا اور لوگوں کا راستہ کھل گیا۔ راہب نے اس کی اس کرامت کو دیکھ کر کہا کہ تو اب مجھ سے افضل ہوگیا ہے اور اب تیری آزمائش ہوگی۔ وہ لڑکا لوگوں کو اللہ کے اذن سے بہ شرط ایمان شفایاب کر دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک ایسے شفایاب شخص نے بادشاہ سے کہا کہ اسے اس کے رب نے شفا دی ہے تو بادشاہ نے اسے اور اس کی نشان دہی پر لڑکے کو بھی گرفتار کر لیا۔ لڑکے نے بھی کہا کہ میں نہیں، بلکہ اللہ لوگوں کو شفا دیتا ہے۔ بادشاہ نے مریض، راہب اور لڑکے تینوں کو بلایا اور اول الذکر دونوں کو آرے سے چروا دیا اور لڑکے کو اپنے حواریوں کے سپرد کیا، تا کہ اسے پہاڑ کی بلندی سے نیچے پھینک دیں۔ یہی کیا گیا، لیکن وہ نہیں مرا۔ پھر اسے ایک کشتی کے ذریعے سمندر میں غرق کرنے کی سزا دی گئی، لیکن کشتی ڈوب گئی اور لڑکا بچ گیا۔ آخر لڑکے نے خود ہی تدبیر بتائی کہ اللہ کا نام لے کر میری طرف تیر پھینکو، تبھی میں قتل ہوسکوں گا۔ چنانچہ اس طرح تیر اس کی کنپٹی پر لگا اور وہ فوت ہوگیا۔ اس کی اس کرامت کی وجہ سے تمام لوگ ایمان لے آئے۔ اس پر بادشاہ نے خندق کھدوا کر آگ جلوائی اور تمام ایمان لانے والوں کو اس میں ڈال دیا۔ ایک عورت جھجکی تو اس کے شیر خوار بچے نے اسے نصیحت کی کہ ماں! صبر کرو، کیوں کہ تم حق پر ہو۔[۶۰]

[۲] حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبیؐ نے فرمایا: انبیاء میں سے ایک نبی جہاد کے لیے نکلے تو انھوں نے مجاہدین کے لیے شرط لگا دی کہ جو نکاح کے بعد خلوت کا امیدوار رہے یا جسے مکان کی تکمیل کا انتظار رہے یا جو بھیڑوں اور اونٹوں کے وضع حمل کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منتظر ہے وہ ساتھ نہ چلے ۔ نماز عصر کے قریب وہ ایک قصبہ کے قریب پہنچ گئے تو انھوں نے سورج سے کہا کہ وہ بہ حکم الٰہی رک جائے، تا آں کہ اللہ نے انہیں فتح عطا فرمائی۔ مالِ غنیمت جمع کیا گیا، لیکن اس امت کے دستور کے مطابق آگ نے اسے نہیں جلایا۔ نبی نے کہا کہ خیانت ہوئی ہے، لہٰذا تفتیش کی غرض سے ہر قبیلہ سے ایک ایک آدمی کو طلب کر کے اس کا ہاتھ نبی کے ہاتھ میں دیا گیا۔ اس طرح کرنے سے خائن قبیلہ کے آدمی کا ہاتھ نبی کے ہاتھ سے چمٹ گیا۔ پھر اس قبیلہ کے تمام آدمیوں کے ساتھ یہی عمل کیا گیا تو چند آدمی پکڑے گئے جو خیانت کے مرتکب ہوئے تھے۔ وہ لوگ بکری کے سر جیسا ایک سونے کا سر لے آئے اور آگ میں ڈالا تو آگ نے اس مال غنیمت کو جلا دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس امت سے پہلے مال غنیمت حلال نہیں تھا۔ اللہ نے اپنے کرم سے مسلمانوں کے لیے اسے حلال کیا۔[61]

[۳] حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: بنی اسرائیل میں تین شخص تھے: ایک برص کا مریض، ایک گنجا اور ایک اندھا۔ اللہ نے ان کو آزمانے کے لیے ایک فرشتہ بھیجا، جس نے باری باری سبھوں سے ان کی خواہش دریافت کی ۔ مبروص نے کہا کہ وہ اچھی جلد چاہتا ہے اور مال میں اونٹ ۔ فرشتے نے اس پر ہاتھ پھیرا تو اس کا مرض دور ہو گیا اور اسے ایک حاملہ اونٹنی دے دی گئی ۔ پھر فرشتہ دوسرے کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ اسے خوب صورت بال اور گائے پسند ہے ۔ چنانچہ اس کا گنج دور کیا گیا اور اسے ایک گائے دی گئی ۔ تیسرے آدمی کو اس کی بینائی لوٹائی گئی اور حسب فرمائش بکری دی گئی ۔ پھر کچھ دنوں کے بعد فرشتہ دوبارہ ایک سوالی بن کر آیا تو پہلے اور دوسرے آدمیوں نے اسے کچھ دینے سے انکار کر دیا اور سابقہ حالت یاد دلانے پر اللہ کی نعمتوں کا انکار کیا، چنانچہ ناشکری کی سزا کے طور پر ان دونوں کو پہلے جیسا کر دیا گیا۔ تیسرے شخص نے اقرار کیا کہ ہاں وہ نابینا تھا، اللہ نے اس کی بینائی لوٹائی اور بکری کے ذریعہ اسے غنی کر دیا، اس لیے وہ اس سے جتنا مال چاہے لے لے۔ تب فرشتے نے کہا کہ وہ آزمانے کے لیے آیا تھا اور یہ کہ اللہ اس سے راضی ہو گیا ہے ۔[62]

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

[۴] حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہﷺ نے فرمایا: ایک پیاسے کو کنواں نظر آیا تو اس نے اس میں اتر کر پانی پیا۔ جب باہر نکلا تو ایک کتے کو پیاسا پایا۔ وہ شخص دوبارہ پانی میں اترا اور اپنے موزہ میں پانی بھر کر لے آیا اور کتے کی پیاس بجھائی۔ اللہ نے اس عمل کی قدر فرمائی اور اس کو بخش دیا'۔ ۶۳؎

ایک روایت میں اس عمل کو ایک بدکار عورت سے منسوب کیا گیا ہے، جس کے طفیل اس کی بخشش ہوگئی۔ ۶۴؎

[۵] حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہﷺ نے اپنی بیویوں سے کوئی قصہ بیان کیا، تو ازواج مطہرات میں سے کسی نے کہا کہ گویا یہ بات خرافہ کی ہے۔ تب رسول اللہﷺ نے پوچھا: کیا تم خرافہ کو جانتی ہو؟ پھر آپ نے خرافہ کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا کہ خرافہ قبیلۂ عذرا کا ایک شخص تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں وہ جنات کے ہاتھوں میں قید ہوگیا۔ ایک زمانہ تک ان کے درمیان رہا، پھر جنات نے اسے رہا کر دیا اور وہ انسانوں میں واپس آ گیا۔ خرافہ نے جنوں کے یہاں جو عجیب وغریب واقعات دیکھے تھے ان کو وہ لوگوں سے بیان کرتا تھا، اس پر لوگ یہ کہتے کہ یہ خرافہ کی کہانی ہے۔ ۶۵؎

[۶] حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ پنگوڑے سے تین آدمیوں کے علاوہ کسی نے کلام نہیں کیا: ایک عیسیٰؑ بن مریم، دوسرا جریج کا ساتھی: اور جریج کا قصہ یہ ہے کہ وہ ایک عبادت گذار شخص تھا۔ ایک بار اس کی ماں لگاتار تین دن اس سے ملنے آئی، لیکن عبادت میں استغراق کی وجہ سے اس نے اس سے کلام نہیں کیا تو ماں نے بددعا دی کہ اے رب! اسے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک یہ کسی بدکار عورت کا منہ نہ دیکھ لے، حالاں کہ بنی اسرائیل میں جریج اپنی عبادت کی وجہ سے مقبول تھا۔ پھر ایسا ہوا کہ ایک حسین عورت اس کو ابتلاء میں ڈالنے کے لیے ایک چرواہے سے حاملہ ہوگئی اور اس بچے کو جریج سے منسوب کر دیا۔ اس پر لوگ جریج کو مارنے پیٹنے لگے تو دریافت حال کے بعد اس نے بچے کو بلوایا اور دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد بچے کے پیٹ پر ہاتھ پھیر کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پوچھا کہ تیرا باپ کون ہے تو اس نے چرواہے کا نام لیا۔ پنگوڑے میں کلام کرنے والا تیسرا بچہ وہ تھا جس کی ماں نے ایک خوب صورت گھوڑے پر سوار شخص کو دیکھ کر کہا تھا کہ اللہ اس بچے کو اس جیسا کر دے تو بچے نے دودھ پینا چھوڑ کر کہا کہ اللہ اسے اس جیسا نہ کرے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ کچھ لوگ ان کے پاس سے گزرے تو وہ شخص ایک لونڈی کو مار رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ تو نے بدکاری اور چوری کی ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے اللہ کافی ہے، وہ بہترین کارساز ہے۔ لیکن اس بچے کی ماں نے اسے دیکھ کر کہا کہ اے اللہ! تو میرے بیٹے کو اس جیسا نہ کرنا تو بچے نے دودھ چھوڑ کر کہا کہ اللہ مجھے اس جیسا بنا دے۔ ماں نے بچے سے اس انکار و اقرار کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ وہ آدمی ظالم تھا اور وہ عورت معصوم اور بے گناہ تھی۔ ؁٦٦

[۷] حضرت عائشہؓ کی ایک طویل روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے گیارہ عورتوں کا قصہ بیان کیا، جنھوں نے اپنے اپنے شوہروں کی صفات بیان کی تھیں۔ ان میں سے ایک ام زرع تھی جس نے اپنے شوہر کی بڑی تعریف کی تھی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے حق میں ایسا ہوں جیسا کہ ابو زرع ام زرع کے لیے تھا۔ ؁٦٧

[۸] حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے (اور انہوں نے یہ حدیث کم از کم سات بار سنی ہے) کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص کفل نام کا تھا جو کسی گناہ سے پرہیز نہیں کرتا تھا۔ اس نے ایک عورت کو ساٹھ دینار کے عوض جماع کے لیے راضی کیا۔ جب ملاقات کا وقت آیا تو وہ عورت کانپنے اور رونے لگی۔ اس شخص نے اس کا سبب دریافت کیا تو اس عورت نے کہا کہ وہ اپنی ضرورت سے مجبور ہو کر اس فعل بد کا ارتکاب کر رہی ہے اور یہ کہ اس نے یہ کام پہلے کبھی نہیں کیا۔ اس پر اس شخص نے بغیر اپنا مقصد پورا کیے اس عورت کو رخصت کر دیا اور ساٹھ دینار بھی اسے بخش دیے۔ اسی رات اس کا انتقال ہو گیا۔ صبح کو اس کے دروازہ پر لکھا دیکھا گیا کہ اللہ نے اسے بخش دیا۔ ؁٦٨

(۹) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ”ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عورت کو بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا۔اس نے بلی کو پکڑے رکھا، نہ تو اس نے اسے کھلایا پلایا اور نہ آزاد کیا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے ہی کھا لیتی ، یہاں تک کہ وہ مرگئی۔ اپنی اس حرکت کی وجہ سے وہ عورت جہنم میں داخل کی گئی''۔ ۲۹ے

(۱۰) حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین آدمی سفر کررہے تھے کہ راستے میں بارش آگئی۔ چنانچہ انھوں نے ایک غار میں پناہ لی۔ اتنے میں ایک چٹان نے لڑھک کر غار کا منہ بند کردیا اور تینوں اس میں قید ہوکر رہ گئے۔ ان لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اگر تم نے کوئی بھلا کام اللہ کی خاطر کیا ہو تو اس کے وسیلہ سے دعا کرو، شاید اس قید سے رہائی مل جائے۔ایک نے کہا: اے اللہ ! میں اپنے چھوٹے بچوں کی دودھ سے پرورش کرتا تھا۔ میرے بوڑھے والدین تھے ۔ میں اپنے بچوں سے پہلے انہیں دودھ پلاتا تھا۔ایک دن جنگل سے واپسی میں دیر ہوگئی تو والدین سوچکے تھے۔میرے بچے بھوک سے بلبلا رہے تھے، لیکن میں نے تیری خاطر والدین کو مقدم رکھا اور رات بھر کھڑے رہ کر ان کے جاگنے کا انتظار کرتا رہا۔اگر میں نے یہ کام تیری رضا کی خاطر کیا ہے تو تو اس چٹان کو کھسکا دے۔اس پر وہ چٹان تھوڑی سی کھسک گئی۔ دوسرے نے کہا کہ میں اپنی ایک چچا زاد بہن پر عاشق تھا۔اسے میں نے مسلسل برائی پر آمادہ کرنے کی کوشش کی، لیکن اس نے ہمیشہ انکار کیا، یہاں تک کہ آخر وہ سو دینار پر تیار ہوگئی ۔ میں نے جتن کرکے سو دینار جمع کیے اور اس کے پاس گیا۔لیکن جب میں نے بدکاری کا ارادہ کیا تو اس نے اللہ کا واسطہ دے کر مجھے منع کیا ۔ اس پر میں اس سے الگ ہوگیا۔ الٰہی ! اگر میں نے یہ کام تیری خاطر کیا تھا تو تو اس چٹان کو کھسکا دے ۔اس پر وہ چٹان تھوڑی اور کھسک گئی۔تیسرے شخص نے کہا کہ یااللہ !میرا ایک مزدور تھا۔جب اس نے کام پورا کرلیا تو اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا۔ میں نے اس کی اجرت کو کاروبار میں لگادیا۔ اس میں بڑی برکت ہوئی اور بہت سے جانور حاصل ہوئے ۔ایک دن وہ میرے پاس آیا اور اپنی اجرت کا طالب ہوا تو میں نے اس سے کہا کہ ان سب گایوں اور ان کے چرواہوں کو لے جا۔اس نے کہا کہ خدا سے ڈر اور مذاق نہ کر۔ میں نے اسے یقین دلایا کہ یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذاق نہیں ہے۔ واقعی یہ سب تیرے ہی ہیں ۔ یا اللہ ! اگر میں نے یہ کام تیری خوشنودی کے لیے کیا تھا تو اس چٹان کو کھسکا دے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر پوری چٹان کھسکا دی۔ ۷۰

احادیث میں مذکور یہ مرویات عبرت پذیری کے مقصد کے با وجود ہماری داستان کی تعریف پر پوری اترتی ہیں۔ قرآن اور احادیث میں تلاش کرنے پر ایسی اور بھی داستانیں مل جائیں گی۔

حواشی ومراجع :

1. Colliers Encyclopedia , U.S.A. , 1985, Vol. 9, p 687
2. حوالہ سابق
3. The World Book of Encyclopedia, Vol. 7, Chicago, 2001, p 90
4. حوالہ سابق
5. Funk & Wagnalls Encyclopedia Vol. 19, U.S.A., 1986, p 239
6. حوالہ سابق
7. Encyclopedia of Religion & Ethics, New York, 1967, sub. Fiction
8. احمد حسن زیات، تاریخ ادب عربی، ترجمہ سید طفیل احمد مدنی، الہ آباد، ص ۳۵۵ تا ۳۶۰، نیز ص ۳۵۶ کا حاشیہ
9. سہ ماہی 'تحقیقات اسلامی' علی گڑھ، اپریل تا جون ۲۰۰۸ء، ص ۲۶ و ۲۷ نیز ص ۳۵ و ما بعد۔
10. حوالہ سابق
11. حوالہ سابق
12. کلیم احمد، فن داستان گوئی، دائرہ ادب، پٹنہ ص ۷ تا ۱۱، ملخص
13. حوالہ سابق
14. مومن محی الدین، فارسی داستان نویسی کی مختصر تاریخ، مکتبہ جامعہ، دہلی ۱۹۹۴ء، ص ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۵۔ حوالہ سابق،ص۲۲
۱۶۔ سید یحییٰ نشیط، اسطوری فکر و فلسفہ (اردو شاعری میں)، پونہ، ۲۰۰۹ء۔ص ۶
۱۷۔ حوالہ سابق،ص۱۲ ۱۸۔ حوالہ سابق، ص۱۴
۱۹۔ شبلی نعمانی، شعرالعجم، جلد چہارم، دارالمصنفین، اعظم گڑھ،ص۲۰۷ و مابعد
۲۰۔ فارسی داستان نویسی،ص ۲۶ تا ۵۴ ۲۱۔ تاریخ ادب عربی،ص ۳۶۱ تا ۳۶۳
۲۲۔ رام بابو سکسینہ، تاریخ ادب اردو، ترجمہ مرزا محمد عسکری، نول کشور پریس، لکھنؤ، حصہ نثر، دیکھئے باب ۱۷،ص ۹۸ تا ۱۲۵
۲۳۔ اردو انسائکلوپیڈیا، قومی کونسل برائے ترقی اردو زبان، نئی دہلی، پہلا اڈیشن، ۱۹۹۶ء،ص ۴۷ تا ۵۸
۲۴۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، دارالریان للتراث، قاہرہ، ۱۹۸۸ء، ۱/۸۶
۲۵۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی، قصص القرآن، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱/۵۸ تا ۶۱
۲۶۔ شوقی ابوخلیل، اطلس القرآن، دارالفکر المعاصر بیروت، ۲۰۰۷ء،ص ۱۵-۱۶
۲۷۔ کتاب پیدائش: ۴:۱۶-۱۷
۲۸۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی، نئی دہلی، جلد ۲/۔ دیباچہ تفسیر سورۂ یوسف، اطلس القرآن،ص ۶۷
۲۹۔ قصص القرآن: ۱/۶۳ ۳۰۔ حوالہ سابق، ۱/۴۸ ۵
۳۱۔ تفہیم القرآن: ۳/۳۴-۳۵ ۳۲۔ اطلس القرآن،ص۸۳
۳۳۔ تفہیم القرآن: ۱/۴۸ا حاشیہ نمبر ۲۶۶
۳۴۔ قصص القرآن، ۲/۲۰-۲۷ ۳۵۔ حوالہ سابق
۳۶۔ البدایۃ والنہایۃ، ۲/۲۲ ۳۷۔ قصص القرآن، ۲/۱۳۹
۳۸۔ سلاطین اول، ۱۰: ۱ تا ۱۳ ۳۹۔ یوناہ: ابواب ۱ تا ۴ مکمل
۴۰۔ اس موضوع پر مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے بڑی عمدہ بحث کی ہے، ملاحظہ کیجیے قصص القرآن، ۲/۱۹۷ تا ۲۲۵
۴۱۔ تفہیم القرآن، ۱/۱۸۹، سورۂ توبہ، حاشیہ نمبر ۲۹
۴۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، مؤسسۃ الریان بیروت، ۲۰۰۷ء، ۲/۱۰۵۲-۱۰۵۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۴۳ قصص القرآن: ۲/ ۲۴۳
۴۴ البدایۃ والنہایۃ، ۲/ ۱۱۴
۴۵ تفسیر ابن کثیر، ۲/ ۹۵۶
۴۶ تفہیم القرآن، ۲/ ۸۹، سورۃ الاعراف، حاشیہ نمبر ۱۲۲
۴۷ قصص القرآن: ۳/ ۲۸
۴۸ اطلس القرآن، ص ۱۳۳
۴۹ تفہیم القرآن، ۴/ ۲۴۸، حاشیہ نمبر ۱۰
۵۰ بحوالہ قصص القرآن ۳/ ۳۱
۵۱ ملاحظہ ہو قصص القرآن ۳/ ۱۲۶ تا ۱۴۹، حاشیہ
۵۲ ابوالکلام آزاد، ترجمان القرآن، ساہتیہ اکیڈمی، نئی دہلی، ۱۹۸۰ء، ۴/ ۴۳۰ تا ۵۴۲
۵۳ تفہیم القرآن، ۳/ ۱۱، سورۂ کہف، حاشیہ نمبر ۷
۵۴ تفہیم القرآن، سورۂ کہف، حواشی ۷ تا ۲۱
۵۵ اطلس القرآن، ص ۱۳۸
۵۶ ترجمان القرآن، ۴/ ۴۰۶
۵۷ تفہیم القرآن، ۴/ ۱۹۵-۱۹۹، تفسیر سورۂ سبا، حاشیہ نمبر ۳۷
۵۸ قصص القرآن، ۳/ ۳۱۷-۳۴۴
۵۹ سید سلیمان ندوی، تاریخ ارض القرآن، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۳ء، جلد اول، ص ۲۳۶-۲۴۵
۶۰ صحیح مسلم: ۳۰۰۵
۶۱ بخاری: ۳۱۲۴، ۵۱۵۷، مسلم: ۱۷۴۷
۶۲ بخاری: ۳۴۶۴، مسلم: ۲۹۶۴
۶۳ بخاری: ۱۷۳، ۲۳۶۳، ۲۴۶۶، ۶۰۰۹، مسلم: ۲۲۴۴
۶۴ بخاری: ۳۳۲۱، ۳۴۶۷، مسلم: ۲۲۴۵
۶۵ شمائل ترمذی، باب ما جاء فی کلام رسول اللہ ﷺ فی السمر
۶۶ بخاری: ۱۲۰۶، ۲۴۸۲، ۳۴۳۶، مسلم: ۲۵۵۰
۶۷ شمائل ترمذی، حوالہ سابق
۶۸ جامع ترمذی ۲/ ۶۵۷، حدیث نمبر ۲۴۹۶
۶۹ بخاری: ۲۳۶۵، ۳۴۸۲، مسلم: ۲۲۴۲
۷۰ بخاری: ۲۲۱۵، ۲۲۷۲، ۲۳۳۲، ۳۴۶۵، ۵۹۷۴، مسلم: ۲۷۴۳

© rasailojaraid.com